Article

Poetic Characters of Dr. Ravish Nadeem

ڈاکٹر روش ندیم کے نظمیہ کردار

Iftikhar Ahmad *[1]
Lecturer,Departmane of Urdu, Government College Gogaira, Okara

افتخار احمد[1]
لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج گوگیرا، اوکاڑا

Correspondanance:iftikharahmedkamyana@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-05-2024
Accepted:20-06-2024
Online:28-06-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Dr. Ravish Nadeem is a poet and critic. His intellectual inclination is towards progressivism. "Tissue Paper Pe Likhi Nazmain" and "Dehshat k Mosam Main Likhi Nazmain" are his poetic works. "Jadeed adabi Tehreekon Ka Zawal" "Manto Ki Aurtain" and "Faiz Ahmad Faiz: Faiz Sadi, Mutakhab Mazameen" are pieces of criticism. The topics of his poems are human being, the problems of an oriental lady, love, feminism and class distinction in the society. He deeply studied colonialism, media warfare and capitalism and their impacts on the literature and society of the third world countries. His symbols and metaphors are from the Hindu myths. He is progressive in thoughts but he did not follow the thoughts of progressive philosophers blindly. In this article symbolic characters of Dr. Ravish Nadeem's poetry are elaborated. These characters include Anamica, radha, Taji, Khanum and Sidharath.

KEYWORDS: : Anamica, Radha, Taji, Khanum and Sidharath Symbole,Poems , Ravish , Literature

ڈاکٹر روش ندیم کا شمار جدید اردو ادب کے نمائندہ ادیبوں میں ہوتا ہے۔ تنقید ی حوالے سے "منٹو کی عورتیں " (۲۰۰۹ء)ان کی پہچان کا معتبر حوالہ ہے جبکہ جدید اردو نظم میں "ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں "(۲۰۰۱ء)اور "دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں "(۲۰۱۴ء)ترقی پسند فکر کو جمالیاتی لطافتوں کے ساتھ پیش کرنے کی اہم کاوش ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کو دوام بخشنے کے لیے فکری گہرائی کے ساتھ ساتھ فنی پختگی کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اس حوالے سے استعارہ اور علامت سازی کے ساتھ کرداروں کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔

جدید اردو نظم میں کرداروں کی پیش کش کے ذریعے اثر انگیزی اور ڈرامائیت پیدا کرنے کا چلن عام ہے۔ کلاسیکی عہد میں نظیر اکبر آبادی نے مذہبی اور تاریخی کرداروں کے ذریعے اردو شاعری کو جس نئے راستے پہ ڈالا اقبال نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔ راشد کا "حسن کوزہ گر" (۱)میرا جی کے "پابند" (۲)اور "شوشنکر"(۳)اور مجید امجد کے "منٹو"(۴)اور۔ "شالاط"(۵) ایسے کردار ہیں جو جدید اردو نظم میں کردار نگاری کی روایت کو استحکام بخشتے ہیں۔ روش ندیم بھی انھی کرداروں کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے چند خوبصورت کردار تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر روش ندیم نے اپنی شاعری میں کئی ایسے کردار تخلیق کیے ہیں جو علامت کے ساتھ ساتھ ایک ایسا افسانوی اظہاریہ بن گئے ہیں جن سے ان کی نظموں کا تفہیمی دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ اس حوالے سے انامیکا، رادھا، تاجی، مہر خانم اور سدھارتھ اہم کردار ہیں۔ سدھارتھ کے علاوہ سارے کردار نسوانی ہیں جس سے روش ندیم کی نسائیت سے ہمدردی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ دوسرا ان کرداروں کے ذریعے روش ندیم کی فکر پر منٹو کے جنسی کرداری اثرات کا واضح عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ تیسرا ان کی فکری رو میں عورتوں کے مقام و مرتبہ کے تعین کی کاوش بھی جھلکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چوتھے درجے پر وہ اسی معاشرے کے فرد ہیں جو مردوں کے مقابلے میں عورت کی حمایت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو، روش ندیم لبرل ہونے کی وجہ سے ایسا سوچتے ہیں یا انسانی ہمدردی کے تناظر میں اپنی نظموں میں عورت کے حمایتی بن کر سامنے آتے ہیں، ان کی شاعری میں عورتوں پر ہونے والے مظالم کی تصویریں اور ان کے حقوق کی بازگشت بڑی نمایاں ہے۔

روش ندیم کی نظموں کی ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ جہاں بھی کوئی کردار تخلیق کرتے ہیں اس کردار کا تعلق ہندو پاک تہذیب کے ساتھ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان کے یہاں کرداری اور ڈرامائی نظمیں مکالماتی ماحول پیدا کر کے تاثر میں اضافہ کرتی ہیں۔ ان کے کچھ کردار ان کی کئی نظموں میں بار بار دہرائے گئے ہیں جن میں سب سے اہم کردار انامیکا کا ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی اس کردار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "روش کے ہاں بعض نظموں میں ایک ایسا کردار ابھرتا ہے جس کے ساتھ کلام کر کے وہ اپنا کتھارسس کر لیتا ہے۔ یہ کردار ایک دوشیزہ انامیکا کا ہے"(۶)۔

انامیکا کا کردار ان کی نظموں "ادھورے خواب کا نوحہ"، "سوچوں کے ہینگر پہ ٹنگی آنکھیں"، "غار ثور سے کائنات کا نظارا"، "تم وہ نہیں تھی جسے دفنایا گیا تھا"، "کائنات سے باہر گری وقت کی کترن "اور "پرانے روزنامچے میں اونگھتے دن "میں مختلف حوالوں سے پیش کیا گیا ہے۔ ہندی میں انامیکا لڑکی کا نام ہے جس کے معنی "بے نام" کے ہیں۔ یہ رویہ اس لیے کہ بعض افراد کے نزدیک بچے کی قسمت اس کے نام سے مشروط نہیں سمجھی جاتی۔ علاوہ ازیں جس انگلی میں شادی کی انگوٹھی پہنی جاتی ہے اسے بھی انامیکا یعنی "بے نام انگلی" کہا جاتا ہے۔ روش ندیم کو یہ نام اتنا پسند ہے کہ انھوں نے اپنی بیٹی کا نام بھی انامیکا رکھا جس کا کمسنی میں انتقال ہو گیا۔ "دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں "کا انتساب بھی "انامیکا کے نام" ہے۔ یہ کردار کبھی اندرونی چیخ کی صورت میں سامنے آتا ہے تو کبھی تہذیب کی بازیافت کے طور پر۔ کبھی یہ کردار ان کے خونی رشتوں کے بچھڑنے کی بازگشت ہے اور کبھی یہی کردار نژادِ نو کی علامت بن کر سامنے آئی ہے تو کبھی یہ کردار ہمزاد کے طور پر سامنے آیا ہے۔ عبدالرشید لکھتے ہیں:

> "انامیکا ایک ایسا ہی کردار ہے جس کے ذریعے اور حوالے سے شاعر کھوج اور تفتیش کا کام لیتا ہے۔ اس طرح یہ چند نظمیں مربوط ہو کر ایک نقطۂ نظر کے ابتدائی نقوش ثابت ہو سکتی ہیں اور تہذیبی شعور کی گمشدگی اور بازیافت میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں"۔(۷)

روش ندیم کی نظم "ادھورے خواب کا نوحہ" میں انامیکا نژادِ نو کا استعارہ ہے اور ایک طلسماتی اساطیری کردار بھی ہے۔ "ادھورے خواب کا نوحہ" ایک مکالمہ ہے۔ یہ مکالمہ ایک ایسی نادیدہ ہستی سے ہے جو روش ندیم کو دنیا پر اعتبار کرنا سکھاتی ہے۔ روش ندیم نے راشد کی طرح خوابوں کے ٹوٹنے کے بعد کی شکست وریخت کو بھی اس نظم کا موضوع بنایا ہے۔ انامیکا وہ منزل ہے جو دھرتی ماں کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور کسی دلربا محبوبہ کی صورت میں بھی۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں پاکستان کے قیام کے بعد خوابوں کے چکنا چور ہونے پر جس رد عمل کا اظہار کیا ہے اس نظم میں اسی طرح کا اظہاریہ ملتا ہے۔ ناصر کاظمی کے ہاں بھی ہجر اور ہجرت کے استعاروں میں شکست وریخت کا ایسا ہی رنگ جھلکتا ہے۔ "ادھورے خواب کا نوحہ" ایک مکالمہ ہے۔ نظم کی چند لائنیں ملاحظہ ہوں۔

انامیکا!
کہانی گھومتی پھرتی اسی نقطے پر آئے گی
جہاں پر بے یقینی کے گھنے جنگل
وساوس اوڑھ کر چپ چاپ بیٹھے ہیں
ادھورے عہد میں ایمان کی تکمیل کیا ہوتی؟
یہاں تو خود خداوند نامکمل ہیں
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص ۱۱)

"سوچوں کے ہینگر پہ ٹنگی آنکھیں" میں انامیکا کا کردار نژادِ نو کا نمائندہ بن کر ابھرا ہے۔ یہ نظم علامتی رنگوں سے زندگی کے سیاہ دھاگوں کو بننے کی کوشش ہے۔ لباس، خوراک، نعرے اور جذبے کالے ہو جائیں تو امیدیں دم توڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ ابتداء میں وہ معاشرے کا آئینہ پیش کرتے ہیں۔

"انامیکا!
ذرا دیکھو
کہ سورج کتنے جنموں سے مری گلیوں میں ٹھہرا ہے
مگر ایسی سیاہی تو کبھی دیکھی نہیں ہو گی"
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص۳۸)

درمیان میں مدرسوں کے دلاسے اور ڈگریوں کے ٹکڑوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اس تباہی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ لیکن نظم کا اختتامیہ امید افزا ہے۔ روش ندیم ان سیاہی بھرے لمحوں سے روشنی کشید کرنے کے تمنائی ہیں اور اپنے ہمزاد یعنی انامیکا سے بات کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے نظر آتے ہیں۔

"انامیکا! تمھیں شب کے کناروں پر نیا سورج اگانا ہے
تمھیں اندھے نگر کے ہاتھ پر آنکھیں بنانی ہیں
صداقت امر کرنی ہے!"
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ۴۰)

"غار ثور سے کائنات کا نظارا" میں روش ندیم اپنے ہمزاد انامیکا سے اپنی آرزو، جستجو اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے۔ اس نظم میں روش ندیم کہتے ہیں کہ ہر قلم کار اسی یقین سے قلم اٹھاتا ہے کہ اس کے الفاظ افلاک پر ستاروں کی طرح چمکیں گے کیوں کہ ان میں ساری دنیا کو بدلنے کی پر خلوص تمنا ہے۔ یہی تمنا دنیا و آخرت میں انسان کی سرفرازی کا باعث بنے گی۔ نظم کے آخری حصے میں وقت کے ہاتھوں انسان کی بے بسی المیہ بن جاتی ہے۔ یہ نظم المیہ لہجے میں بتاتی ہے کہ ہر نیا لکھنے والا دنیا کو بدلنے کے خواب دیکھتا ہے لیکن ان خوابوں کو تعبیریں وقت کے بھاری پتھر کے نیچے دبی رہ جاتی ہیں۔

روش ندیم نے اپنی بیٹی انامیکا کی وفات کو جس کرب سے گزر کر برداشت کیا ان کی نظم "تم وہ نہیں تھی جسے دفنایا گیا تھا" میں وہ کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔ کسی پیارے کی موت سے جو قیامت گزرتی ہے انسان کی محبت تجسیم کے ذریعے دلاسہ بنتی ہے۔

"قبرستان سے واپسی پر میں نے دیکھا
وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی

بس مسکرائے جا رہی تھی
میں اور وقت دونوں ہی جیسے چلنا بھول گئے
شاید سبھی کچھ تھم گیا تھا
میری دھڑکن بھی
میں بے بس تھا، بہت بے بس
پھر کسی نے چپکے سے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھا
کسی جانی پہچانی خوشبو کا ایک احساس جاگا
"۔۔۔۔۔انامیکا!!"
(دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، ص ۷۳۔۷۴)

"کائنات سے باہر گری وقت کی کترن" میں بھی انامیکا سے مکالمہ کیا گیا ہے۔ جو ایک ننھی بچی کی صورت گھر کے آنگن میں کھیلتی ہے۔ وقت جس کے سامنے بے بس ہو کر تھم سا جاتا ہے۔ جسے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کھیلتے دیکھ کر شاعر بھی گوتم کی طرح نروان کا لمحہ پا جاتا ہے۔ مگر نروان کی یہ گھڑی عارضی ثابت ہوتی ہے اور بالآخر وقت بیت جاتا ہے۔

"یہ شاید وقت اس لمحے ہی جنما تھا
کہ جس کی دوڑ سے نا آشنا
ماچس کی ننھی تیلیوں کے کھیل میں گم سم انامیکا
اسی ازلی امر لمحے میں جیتی ہے
سو اس کے سامنے مغرور سا یہ وقت پیچ و تاب کھاتا یوں کھڑا ہے
جیسے بے بس ہے"
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص ۷۲)

"پرانے روزنامچے میں اونگھتے دن" انامیکا کے کردار میں نئی نسل کے لکھنے والوں کو خطاب کرتی ہے اور ایک زاویے سے ہمزاد بھی ہے۔ وقت کے موضوع کو بیان کرتی اس نظم میں روش ندیم کہتے ہیں کہ ہر قلم کار اسی یقین سے قلم اٹھاتا ہے کہ اس کے الفاظ افلاک پر ستاروں کی طرح چمکیں گے کیوں کہ ان میں ساری دنیا کو بدلنے کی پر خلوص تمنا ہے۔ یہی تمنا دنیا و آخرت میں انسان کی سرفرازی کا باعث بنے گی۔

"انامیکا!
اگر ان ہی دنوں ہم سے کدا بھی پوچھتا

تو ہم فقط اپنی لکھت کی ہی قسم کھاتے
ہمیں پورا یقیں تھا
جو بھی لکھیں گے فلک پر کہکشاں بن کر ہمیشہ مسکرائے گا"
(دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، ص ۲۲)

نظم کے آخری حصے میں وقت کے ہاتھوں انسان کی بے بسی المیہ بن جاتی ہے۔ یہ نظم المیہ لہجے میں بتاتی ہے کہ ہر نیا لکھنے والا دنیا کو بدلنے کے خواب دیکھتا ہے لیکن ان خوابوں کو تعبیریں وقت کے بھاری پتھر کے نیچے دبی رہ جاتی ہیں۔

"انامیکا!
مگر یہ وقت کا پتھر قلم کی ضرب سے کس طور ٹوٹے گا!!"
(دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، ص ۲۴)

اس نظم کے بارے میں ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر روش ندیم کی دیگر نظموں کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی کے خواب دیکھنے والے تمام اہلِ دانش اور تخلیق کاروں کی عظیم تخلیقی کاوشوں کی بے ہمتی و بے وقعتی کو مختلف جہتوں سے نظم کیا گیا ہے۔ یہ نظم تاریخ کے بہیمانہ طلسم میں انسان کی اسیری کا ایسا بیانیہ ہیں جس میں حزن، ملال اور احتجاج تو پایا جاتا مگر انقلاب کے لیے کسی سعی کا عنصر نہیں ہے(۸)"۔

رادھا کا کردار روش ندیم کی نظم "پھر بھی رادھا خموش بیٹھی ہے" میں آیا ہے۔ رادھا ہندو ثقافت کا نہایت اہم کردار ہے۔ روش ندیم نے اس کردار کے ذریعے ہندو پاک معاشرے کی عورت کو تہذیب و تمدن کے نام پر نئے نظریات کی بھینٹ چڑھانے کا نوحہ لکھا ہے۔ عورت کے بارے میں ہندوؤں کی تمام کتابوں میں کہیں بھی اچھے کلمات نہیں لکھے گئے۔ حتیٰ کہ گاندھی جیسے لوگوں کی تحریریں بھی عورت کو بے وفا اور جنسی آلہ ہی ثابت کرتی ہیں۔ روش ندیم نے رادھا کے کردار میں بتایا ہے کہ اتنے ظلم سہنے کے باوجود ہندوستان کی عورت خاموش ہے۔ وہ کسی طرح کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتی کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ عورت کی جنت اس کے خاوند کا گھر ہے۔ نظم کا عنوان "پھر بھی رادھا خموش بیٹھی ہے" میں "پھر بھی۔۔۔" کے ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری زیادتیوں کے باوجود بھی اس دھرتی کی بہو بیٹی خموش رہتی ہے تو یہ اس کی وفاداری کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر بھی رادھا خموش بیٹھی ہے" ایک ایسی نظم ہے جس میں عورت / تانیثیت / نسائیت پورے وجود کے ساتھ آئی ہے. روش ندیم نے یہاں پھر تلمیح ہندی اساطیر سے اخذ کی ہے اور ہندو پاک معاشرے کی عورت کو تہذیب و تمدن کے نام پر نئے نظریات کی بھینٹ چڑھانے کا نوحہ لکھا ہے۔ وہ عورت جو ستی ہو جاتی تھی آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں جس کرب

سے گزرتی ہے اس نظم کی آخری سطریں اس کا آئینہ ہیں۔ روش ندیم نے مسلم کرداروں کے بجائے ہندی اساطیری کردار اس لیے اپنی نظموں میں برتے ہیں کہ مسلمانوں کی کل تاریخ برصغیر میں ایک ہزار سال بنتی ہے جبکہ ہندو تاریخ کے آثار حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے جا ملتے ہیں۔ اس لئے روش ندیم نے ہندی تہذیب و تمدن کو ہی اس خطے کی نمائندہ سمجھا ہے اور اسی سے اس مٹی کے کردار اخذ کیے ہیں۔ روش ندیم کے ہاں فطرت کے رنگوں کی فراوانی ہے۔ لیکن رنگوں کے پیچھے معانی کا ایک پورا نظام ہے۔ جسے سمجھے بنا ان کی نظموں کا حقیقی مفہوم سمجھنا محال ہے۔ رادھا کو اگر علامتی رنگ میں دیکھیں تو وہ برصغیر کی تہذیب بھی ہے اور تاریخ بھی۔ چند لائنیں دیکھیں:

"بوڑھی آنکھوں سے داستاں چھلکی
داستاں جو طویل تھی اتنی اس کے کردار سو گئے آخر
سبز موسم ادھر نہیں آئے
حُسن کھڑکی پہ جم گیا پھر بھی
زرد رُت کا عذاب باقی ہے"
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص۴۹۔۵۰)

"حرامجادی" میں "تاجی" کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔ "تاجی" کا کردار ہمارے معاشرے میں محنت کش طبقے خصوصاً مزارعوں کا نمائندہ ہے۔ یہ لوگ رہٹ کے بیلوں سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ تاجی کا کردار مظلوم نسائیت اور اس کا سیاہ رنگ جنسیت کے رسیا کرداروں کی ذہنی کیفیت (غلاظت اور کثافت) کو بیان کرتا ہے۔

نظم کی ابتدا میں عورت کا اس کے خاوند یا عاشقِ صادق سے جسمانی تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے اگلی لائنوں میں زمین داروں کے اصلی چہروں کو یہ کہ کر بے نقاب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت صرف جسم ہے اور جسم بھی جنسی تسکین کے لیے۔ برصغیر کے دیہات میں حرامجادی کا کردار جا بہ جا دیکھا جا سکتا ہے۔ روش ندیم نے یہ کردار جس پس منظر میں تشکیل دیا ہے اسے مزید سمجھنے کے لیے بانو قدسیہ کا ناول "راجہ گدھ"، اور گلزار حسنین کا افسانہ "چھپے ہاتھ" بھی معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ معاشرے کی ننگی حقیقتوں پر مبنی نظم ہے جو ساحر لدھیانوی کے مصرع "لوگ عورت کو فقط جسم سمجھ لیتے ہیں" کی تشریح و تعبیر کرتی ہے۔ اس نظم کا مرکزی کردار یہی تو بیان کرتا ہے کہ ہر گدھ اپنے وقت پر اپنی بساط کے مطابق اس عورت کے ماس کو نوچتا ہے اور زیر لب مسکراتا ہوا کہتا ہے حرامجادی۔۔۔ اور المیہ آگے سفر کر جاتا ہے۔ اس نظم کی چند لائنیں پیشِ خدمت ہیں:

"او میری رانی!
حویلیوں کی نجاستوں سے پلید لڑکی!
تمہارے تن کا نمک تو بس اک اضافی جز ہے

زمینداروں کی خواہشوں کا!"

(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص ۳۵)

مہر خانم کا کردار ایک نظم "گم سم ورق پر دستخط" میں برتا گیا ہے۔ یہ نظم افغان جہاد کے تناظر میں ایک ایسے مٹی کے بیٹے کی کہانی ہے جو ملاؤں کی ترغیب و تحریص سے جہاد پر نکلا، شہید ہوا اور اپنے خواب کی حوروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کی حور شمائل بیوی بلکہ بیوہ "مہر خانم" اس کے جانے کے بعد اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے ہوس پرستوں کے لیے Whore بن گئی۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے سماج کا شیشہ دیکھ کے بھی ان دیکھا کر دیتا ہے۔

"خدائے پاک کی مرضی
سنا ہے آج کل وہ شہر کے گنجان حصے سے ذرا ہٹ کر
ادھر 7/6 مرلے کے مکاں نمبر C-28 میں رہتی ہے
جہاں شب تو گزرتی ہے
مگر اک ناتواں دن کی خماری کاٹتی ہے
پھر گزرتی ہے"

(دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، ص ۱۳)

ڈاکٹر طارق ہاشمی کے مطابق:

> "گم سم ورق پر دستخط" میں افغان جنگ میں کام آنے والے ایک مجاہد کی بیوہ کا کردار محض اس کی زبوں حالی کی تصویر نہیں بلکہ اس فلسفے پر طنز ہے جس کے تحت یہ جنگ لڑی گئی اور کئی معصوم لوگوں کو جہاد کے پردے میں عالم گیری نظام کے لیے لڑایا گیا"[۹]۔

روش ندیم کے ہاں انامیکا کے بعد دوسرا اہم کردار "سدھارتھ" ہے۔ "مٹھی سے پھسلتی نروان کی ریت" میں سدھارتھ کو برصغیر کی سماجیات اور ثقافت کا حقیقی کردار بنا کر پیش کیا گیا ہے اور اسے خطاب کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہماری تہذیب کے اصل نمائندے زر و سیم کے بھوکے نہ تھے جس طرح آج ہو چکے ہیں۔ سدھارتھ کے کردار میں تہذیبی بازیافت کی تمنا ہے۔ علاوہ ازیں روش ندیم نے تاریخی شعور کو چیلنج کرتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کپل وستو کے شہزادے سدھارتھ کے نروانی نظریات آج کے زمانے کی مادیت پر منطبق نہیں ہو سکتے۔

نظم کی چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

"کپل وستو کے شہزادے!!
تو بھوکا ہے
ترے کمزور سے تن پر کوئی کپڑا نہیں ہے

اور باہر ٹھنڈ ہے
اور ہاتھ میں سکہ نہیں کوئی
چل اٹھ!
تجھ کو کسی مل میں کہیں نوکر کرا آؤں"
(ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، ص۲۶)

ڈاکٹر روش ندیم کی نظموں کے کردار ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے ان کرداروں کے توسط سے سماج کے ایک ایسے طبقے کی نمایندگی کرنے کی کوشش کی ہے جس کی آواز کو عموماً بااختیار طبقے کی طرف سے دبا دیا جاتا ہے۔جب کہ نسوانی کرداروں کے ذریعے سماج میں عورت کے ساتھ ہونے والے سلوک کا نوحہ بیان کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ن۔م۔راشد، کلیات راشد، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۳

۲۔میر اجی، کلیات میر اجی، مرتب:ڈاکٹر جمیل جالبی، نیو دہلی: فرید بک ڈپو، جون ۲۰۰۵، ص:۳۲۶

۳۔ایضاً، ص:۳۲۶

۴۔مجید امجد، کلیات مجید امجد، مرتب:ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، نیو دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱، ص:۱۳۳

۵۔ایضاً، ص:۳۲۵

۶۔طارق ہاشمی، ڈاکٹر، جدید نظم کی تیسری جہت اور چوتھا پڑاؤ، مشمولہ: نقاط ۱۰، نظم نمبر، فیصل آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۱۲۸

۷۔عبد الرشید، نئی شاعری اور ٹشو پیپر پہ لکھی نظمیں، مشمولہ: انگارے ۳۱، ملتان، جولائی ۲۰۰۵ء ص:۱۲

۸۔طارق ہاشمی، ڈاکٹر، جدید نظم کی تیسری جہت اور چوتھا پڑاؤ، مشمولہ، نقاط ۱۰، ص:۲۶

۹۔ایضاً، ص:۱۲۷